Date of Publication : 16-09-2014

PRICE Rs. 2/-

POSTED ON 17-18 Sep. 2014
R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2012-14
Licensed to Post Without PrepaymentU (C) 160/2012-14

HAMARI ZABAN (WEEKLY)

ہفت روزہ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

22-28 September 2014
Issue: 36, Vol.:73

۲۲ تا ۲۸ ستمبر ۲۰۱۴ء
شمارہ نمبر: ۳۶، جلد نمبر: ۷۳

خصوصی پیش کش

سپریم کورٹ نے 4 ستمبر 2014 کو اپنے تاریخ ساز فیصلے میں اتر پردیش میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے کے موقف پر اپنی مہر ثبت کر دی۔ چیف جسٹس آر. ایم. لوڑھا کی صدارت والی پانچ رکنی آئینی بنچ نے یوپی ہندی ساہتیہ سمیلن کی رٹ پٹیشن کو خارج کر دیا اور اردو کو اتر پردیش میں دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے والے اتر پردیش سرکاری زبان ترمیمی ایکٹ 1989 کو جائز قرار دیا۔ 'ہماری زبان' کی یہ خاص پیش کش سپریم کورٹ کے اس فیصلے کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل روشنی ڈالتی ہے۔

یوپی میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ فتح سے بڑا چیلنج

اطہر فاروقی

سیاسی طور پر ہندوستان کے سب سے اہم صوبے اتر پردیش میں اردو کے اس حق کو عدالت عالیہ نے تسلیم کر لیا جو اس کے استحقاق (Legitimacy) کی علامت ہے۔ اتر پردیش اردو کا اہم ترین صوبہ ہے اور اتر پردیش خصوصاً شمالی ہند کی تہذیب و ثقافت کی تشکیل میں اردو کا فیصلہ کن رول ہے مگر تقسیم کے سبب اتر پردیش سے اردو کا نام و نشان مٹانے کی ہر ممکن کوشش اس لیے کی گئی تاکہ مشترکہ تہذیب و ثقافت کی جگہ وہ مفروضہ تہذیب جگہ لے سکے جسے آر ایس ایس ہندو تہذیب کہتا ہے۔ اس کوشش کے نتیجے میں اتر پردیش میں گزشتہ 67 برسوں میں اسکول کی سطح پر اردو تعلیم کا شیرازہ بکھر گیا اور دینی مدرسوں میں جانے والی پہلی نسل نے اردو کو ذریعہ تعلیم کے طور پر اختیار کیا۔ دینی مدارس کے اپنے مقاصد ہیں جو مذہب کے مختلف پہلوؤں سے وابستہ ہیں، اس لیے، دینی مدارس کی پروردہ اردو وہ تاریخی کام کرنے کے لیے بالکل موزوں نہ تھی جس نے اس عظیم تہذیب و ثقافت کو جنم دیا، جسے گنگا جمنی تہذیب کہا جاتا ہے اور جس نے ساؤتھ ایشیا کا مقتدر ترین ادب تخلیق کیا اور کشمیر سے کنیا کماری تک ابلاغ کا ذریعہ بن گئی۔ خود اردو تہذیب اتنی طاقت ور تھی کہ 67 برسوں تک اس کی عدیم المثال مخالفت کے باوجود آج بھی اس کی وہی حیثیت ہے جو تقسیم کے بعد تھی۔ اردو ادب کی عظمت اور اردو تہذیب کے نفیس ترین پہلوؤں سے ہر خاص و عام واقف ہے۔ اردو تہذیب کی طاقت و عظمت کے معترف اس کے شدید ترین نظریاتی دشمن بھی ہیں۔ 24 سال 10 مہینے اور 27 دن پہلے 17 اکتوبر 1989 کو اتر پردیش کی مجلس قانون سازیہ کے ذریعے اردو کو اتر پردیش کی دوسری سرکاری زبان کے درجے کو صحیح و درست قرار دیتے ہوئے عدالت عالیہ کی پانچ رکنی آئینی بنچ نے اپنی مہر اس مضبوطی سے ثبت کی ہے کہ آئندہ دیگر ہندوستانی زبانوں کے سیاق و سباق میں ہندی اپنی برتری کا دعویٰ قطعائی طور پر نہ کر سکے گی۔ مذکورہ مقدمے میں مدعی یوپی ہندی ساہتیہ سمیلن کے دو اہم دعوے تھے۔ اتر پردیش آفیشیل لینگویج ایکٹ 1951 (U.P. Act No XXXVI g 1951) کے ذریعے ہندی کو صوبے کی سرکاری زبان بنا دیا گیا، اس لیے اب کسی اور زبان کو دوسری سرکاری زبان نہیں بنایا جاسکتا۔ مدعی نے بار بار اس بات پر زور دیا کہ حکومت اگر چاہے تو اردو کو یوپی کی زبان تسلیم کر سکتی ہے مگر دوسری سرکاری زبان ہرگز نہیں کیوں کہ یہ سرکاری زبان ہی تو ہے جو اردو کو اس کا استحقاق یعنی Legitimacy دیتی ہے اور ہندی والے اردو کے آئینی حق یعنی اس کے استحقاق ہی کے خلاف تھے۔ استحقاق سے ریاست کا کسی زبان کو انکار کرنا بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی باپ اپنی اولاد کو اپنا نام دینے سے انکار کر دے۔ میں مقدمے کی تفصیلات میں نہیں جاؤں گا

> سب سے اہم بات یہ ہے کہ دوسری سرکاری زبان کا مطلب دفتروں میں ان مخصوص مقاصد کے لیے اس زبان کے استعمال سے ہوتا ہے جسے صوبے کی سرکاری یا دوسری سرکاری زبان بنایا جائے اور ان زبانوں کا کوئی تعلق تعلیم سے نہیں ہے، اس لیے، جب تک اتر پردیش کے اسکولوں میں اردو تعلیم کا نظم نہ ہو اور اردو سے واقف ایک پوری نسل سماجی منظر نامے پر موجود نہ ہو اس قانون کا مطلب اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ اردو کو اس کا کھویا ہوا حق مل گیا اور اردو مخالف فسطائی ہندی قوتوں کی کراری شکست ہوئی۔ یہ ان لوگوں کی بھی شکست فاش ہے جو گنگا جمنی کلچر کی جگہ مخصوص ہندوتوا کلچر کو شمالی ہند کی ثقافتی و تہذیبی زندگی پر غالب کرنا چاہتے تھے اور یہ اس کانگریس کے لیے بھی لمحۂ فکریہ ہے جسے گزشتہ پارلیمانی انتخابات میں اتر پردیش سے جو سات (7) فی صد ووٹ ملے ان میں چھے فی صد اردو آبادی کے تھے، اس لیے، وقت رہتے کانگریس کو اردو کے تئیں اپنی پالیسی کو تبدیل کر لینا چاہیے ورنہ اگر اردو آبادی نے بھی اسے ملک کی سطح پر خدا حافظ کہہ دیا تو وہ نیشنل پارٹی کا درجہ بھی نہ بچا پائے گی۔

جو قانون کے ماہرین کے لیے بھی پیچیدہ تر ہیں۔ یہ بات تحریری ریکارڈ پر رہنے کی ہے کہ ہندی ساہتیہ سمیلن صرف اپنے صدر آنجہانی جناب دینا ناتھ بترا کی کوششوں سے ہی اس مقدمے کو سپریم کورٹ تک لے گیا۔ ان جنونیوں نے جنگل پر رائی جلانے کے مترادف تل کا پہاڑ بنا دیا اور ایک ایسا مقدمہ جو ہائی کورٹ میں دو دن بھی نہیں ٹھہر سکتا تھا تقریباً 25 برس تک چلا اور آخرش سپریم کورٹ نے مدعی کی کسی دلیل کو قابلِ اعتنا تو نہ پایا مگر اس مقدمے کی تیاری کے لیے جناب بترا نے جو محنت کی وہ اردو والوں کے لیے نہایت ہی شرم کا مقام ہے۔ جناب بترا تنہا 1981 سے اردو کی مخالفت کر رہے تھے جس کی اصل ذمے داری صرف اور صرف کانگریس پر ہے۔ 1947 سے 1980 تک اترپردیش میں اردو کے مسئلے پر مکمل خاموشی اختیار کرکے مگر اسکول کی سطح پر اردو کی تعلیم کو نیست و نابود کرنے کے بعد 1980 کے انتخابی منشور میں کانگریس نے اردو کو صوبے میں دوسری سرکاری زبان بنانے کا وعدہ کیا مگر 1984 تک اس نے اردو کو یہ درجہ دینے کے لیے قانون سازیہ کی مدد لینے اور باقاعدہ بل لاکر اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کے بجائے آرڈیننس (Ordinance) کا راستہ اختیار کیا۔ بالعموم آرڈیننس ان اہم مدعوں پر اس وقت لایا جاتا ہے جب اسمبلی سیشن میں نہ ہو اور اس کی عمر زیادہ سے زیادہ چھے مہینے ہوسکتی ہے۔ یہ راستہ اردو والوں کو صد درجہ بے وقوف سمجھنے کی کانگریس کی پرانی ذہنیت کا غماز تھا۔ پہلا آرڈیننس ایسا واہیات اور قانونی طور پر اتنا بودا تھا کہ اسے حکومت کو واپس لینا پڑا۔ اس کے بعد حکومت 1984 تک چار آرڈیننس لائی جس سے کوئی فائدہ تو نہ ہوا مگر جناب بترا کی کوششوں کے نتیجے میں ہائی کورٹ نے آئندہ آرڈیننس لانے کی ممانعت کرتے ہوئے کہا کہ اگر حکومت اردو کے لیے سنجیدہ ہے تو وہ باقاعدہ بل لائے جو کانگریس بہ آسانی لا سکتی تھی کیوں کہ یوپی اسمبلی میں اس کی مکمل اکثریت تھی۔ اس کے بعد کانگریس کی حکومت مزید پانچ برسوں تک سوتی رہی اور 1989 میں اردو بل اسمبلی اجلاس کے آخری روز لایا گیا جسے جناب بترا نے یوپی ہندی ساہتیہ سمیلن کے ذریعے چیلنج کیا۔ ان کی رٹ پٹیشن منظور تو ہوگئی مگر عدالت نے اس پر حکم امتناعی نہیں دیا یعنی 1989 کے بعد صوبائی حکومتیں اگر چاہتیں تو اس قانون کا نفاذ کرسکتی تھیں مگر ہر حکومت نے — خواہ اس کے گلے میں مسلم دوستی کا کتنا ہی بڑا ڈھول کیوں نہ پڑا ہو — قانون اردو کے نفاذ سے یہ کہہ کر دامن بچاتی رہی کہ معاملہ عدالت میں ہے۔ اب عدالت کا بہانہ بھی نہیں رہ گیا ہے۔

اترپردیش میں 17 اکتوبر 1989 کو ایک نوٹیفکیشن جاری کرکے اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ جن سات مقاصد کے لیے دیا گیا ہے، وہ درج ذیل ہیں:

(1) اردو میں عرضیوں اور درخواستوں کو قبول کرنا اور اردو میں ان کا جواب دینا
(2) اردو میں تحریر دستاویزوں کو رجسٹریشن دفتر میں قبول کیا جانا
(3) اہم سرکاری قاعدوں، ضابطوں اور نوٹیفکیشنوں کی اردو میں بھی اشاعت
(4) عوامی اہمیت کے سرکاری احکامات اور گشتی مراسلات (سرکلرز) کا اردو میں بھی جاری کیا جانا
(5) اہم سرکاری اشتہارات کی اردو میں بھی اشاعت
(6) گزٹ کے اردو ترجمے کی بھی اشاعت
(7) اہم سائن بورڈوں کا اردو میں بھی ہونا

سب سے اہم بات یہ ہے کہ دوسری سرکاری زبان کا مطلب دفتروں میں ان مخصوص مقاصد کے لیے اس زبان کے استعمال سے ہوتا ہے جسے صوبے کی سرکاری یا دوسری سرکاری زبان بنایا جائے اور ان زبانوں کا کوئی تعلق تعلیم سے نہیں ہے، اس لیے جب تک اترپردیش کے اسکولوں میں اردو تعلیم کا نظم نہ ہو اور اردو سے واقف ایک پوری نسل سماجی منظرنامے پر موجود نہ ہو اس قانون کا مطلب اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ اردو کو اس کا کھویا ہوا حق مل گیا اور اردو مخالف فسطائی ہندی قوتوں کی کراری شکست ہوئی۔ یہ ان لوگوں کی بھی شکست فاش ہے جو گنگا جمنی کلچر کی جگہ مخصوص ہندوانہ کلچر کو شمالی ہند کی ثقافتی، تہذیبی زندگی پر غالب کرنا چاہتے تھے اور یہ اس کانگریس کے لیے بھی لمحۂ فکریہ ہے جسے گزشتہ پارلیمانی انتخابات میں اترپردیش سے جو سات (7) فی صد ووٹ ملے ان میں چھے فی صد اردو آبادی کے تھے، اس لیے، وقت رہتے کانگریس کو اردو کے تئیں اپنی پالیسی کو تبدیل کرلینا چاہیے ورنہ اگر اردو آبادی نے بھی اسے ملک کی سطح پر خدا حافظ کہہ دیا تو وہ [illegible] پارٹی کا درجہ بھی نہ بچا پائے گی۔

(بشکریہ: راشٹریہ سہارا دہلی، 12 ستمبر 2014)

○○

صدر جمہوریۂ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد کو پیش کیا جانے والا میمورنڈم

انجمن ترقی اردو (ہند) کے صدر ڈاکٹر ذاکر حسین کی قیادت میں 15 فروری 1954 کو 20 لاکھ 50 ہزار دستخطوں پر مشتمل جو میمورنڈم اُس وقت کے صدر جمہوریۂ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا وہ بلاشبہ آزاد ہندستان کی تاریخ میں اردو کی پہلی اور سب سے بڑی تحریک تھی۔ محضر پر دستخط کرنے والوں نے یہ بھی واضح کردیا تھا کہ اُن کے گھروں میں نابالغ بچّوں کی تعداد 22 لاکھ ہے۔ نابالغ بچّوں کی تعداد کا ذکر اس تحریک کے رہنماؤں کی غیر معمولی دوراندیشی کا غماز ہے کیوں کہ اس میمورنڈم کا تمام زور اردو کو یوپی کے نظامِ تعلیم کا حصہ بنانا تھا۔ ہم یہاں اس میمورنڈم کے متن کا اردو ترجمہ نقل کررہے ہیں۔ (ادارہ)

صدر جمہوریۂ ہند، نئی دہلی

جناب عالی!

ہم انتہائی عزت و احترام کے ساتھ کل ہند انجمن ترقی اردو کے وفد کی صورت میں اور اترپردیش کی اردو بولنے والی آبادی کی جانب سے بھی ایک وفد کی حیثیت سے چند معروضات پیش کرنے کے لیے جناب کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ تاہم سب سے پہلے تو ہماری التجا ہے کہ بعض ایسے امور کی وضاحت کردیں جن سے ہمارے وفد کے مقاصد کو صدمہ پہنچا ہے اور بعض حلقوں میں ان سے کچھ غلط فہمیاں بھی پیدا ہوئی ہیں۔

ہمارے آئین کی دفعہ 343 میں کہا گیا ہے کہ ”ملک کی سرکاری زبان دیوناگری رسم الخط میں لکھی جانے والی ہندی ہوگی“۔ انجمن ترقی اردو اور وہ تمام ادارے جن کی نمائندگی ہمیں حاصل ہے، اپنی کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی کے اس فیصلے کو بسروچشم قبول کرتے ہیں اور اپنا اور ہندستان کے ہر شہری کا یہ فرض سمجھتے ہیں کہ قانون کی دفعہ 351 کے مطابق وہ ہندی زبان کے فروغ میں حصہ لیں۔ 1950 میں آئین کی دفعہ 345 کے تحت اترپردیش کی مجلس قانون ساز نے قانونی طور پر یہ طے کیا کہ ہندی کو دیوناگری رسم الخط میں صوبے کے تمام امور میں استعمال کیا جائے گا۔ یہ فیصلہ اپنے آپ میں بے ضرر سہی لیکن اس فیصلے میں اردو زبان اور اس کے رسم الخط کو اترپردیش میں جو رواج حاصل تھا اسے نظرانداز کردیا گیا۔ ہمیں پوری وفاداری کے ساتھ یہ فیصلہ قبول ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ہم شدت سے یہ محسوس کرتے ہیں کہ موجودہ حالات میں اس ادھورے فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ضروری ہے کہ ادارے سے متعلق آئین کی دفعہ 347 کے تحت ایک ہدایت نامہ جاری کیا جائے۔ اس مقصد کی برآری کے لیے ہم نے آپ تک پہنچنے کی ہمت کی ہے۔

آپ جیسے مرتبے کے اسکالر کے روبرو ہم اس نزاع میں نہیں پڑنا چاہتے کہ آیا ہندی اور اردو دو مختلف زبانیں ہیں یا کسی ایک ہی بنیادی زبان کے دو مختلف اسالیب۔ ہمارے مقصد کے تحت بس اتنا ہی کافی ہے کہ بہت ہی واضح دلائل کی روشنی میں اور موجودہ حالات کے ایک معروضی اور حقیقت پسندانہ مشاہدے کے آئینے میں ہمارے آئین کے آٹھویں گوشوارے میں ہندی اور اردو دونوں کو ہندستانی زبانوں میں شمار کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ عرض کرنا ہے کہ اردو وہ زبان ہے جس نے صدیوں کا سفر طے کرتے ہوئے ایسے ادب اور اسلوب کو فروغ دیا ہے جس پر کوئی بھی صحیح معنوں میں فخر کرسکتا ہے۔ آج اترپردیش میں ہر ذات اور ہر عقیدے کے بے شمار لوگ اسے بجا طور پر اپنی مادری زبان قرار دیتے ہیں یا ادبی زبان۔ یہ تمام لوگ جو ہندی کو دیوناگری رسم الخط میں لکھتے اور پڑھتے رہنا چاہتے ہیں ابھی تک بھی اردو کو اس کے اپنے رسم الخط میں لکھتے اور پڑھتے ہیں اور انتہائی معقول وجوہ سے اس قومی سرمایہ کو محفوظ رکھنے کے آرزومند ہیں۔ اس سلسلے میں ہم آپ کی توجہ حکومت ہند کی مورخہ 10 اکتوبر 1948 کی ایک قرارداد کی چند سطور کی جانب مبذول کرانا چاہتے ہیں جس میں ہمارے پبلک اسکولوں میں تعلیم سے متعلق گورنمنٹ کی پالیسی کا ذکر کیا گیا ہے۔ قرارداد کی عبارت یہ ہے:

”جونیر بیسک اسٹیج پر بچے کی مادری زبان ہی ذریعۂ تعلیم ہوگی۔ جہاں مادری زبان علاقائی یا صوبائی زبان سے مختلف ہو وہاں کم از کم ایک ٹیچر کا تقرر کرکے مادری زبان میں تعلیم کا بندوبست کیا جائے بشرطیکہ وہاں پورے اسکول میں اس زبان کے بولنے والے 40 طالب علموں سے کم نہ ہوں یا ایک ایک کلاس میں 10 طالب علم ہوں۔ مادری زبان وہی مانی جائے گی جو بچے کے والدین یا اس کے سرپرست نے بتائی ہو“۔

اس پالیسی کی توثیق اترپردیش کے وزیر

اطلاع مسٹر زیڈ ایچ لاری کے نام اپنے خط میں کی تھی جو اس وقت قانون ساز اسمبلی کے رکن تھے۔ اور اس کی مزید تائید شری ایس۔ ایچ۔ سپرو نے کی جو اتر پردیش کے تعلیمی سکریٹری تھے۔ تاہم اس سب کے باوجود شری آر۔ ایس۔ سنہا (ایم۔ ایل۔ اے) نے جو اس وقت لازمی تعلیم کے آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی تھے، میونسپل بورڈ کے چیئرمین کو یہ لکھا:

"مجھے موصول ہونے والی ہدایات کے مطابق یہ عرض کرنا ہے کہ گورنمنٹ نے آرڈر دیا ہے کہ ہندی کو تمام اسکولوں میں لازمی مضمون ہونا چاہیے۔ اردو کی تعلیم پر کوئی اعتراض نہیں لیکن اگر کوئی ادارہ اسے پڑھانا چاہتا ہے تو اس کی حیثیت ایک اختیاری مضمون کی ہوگی۔ لہٰذا ذات پات کے امتیاز کے بغیر تمام طلبہ کو ہندی لازمی طور پر سیکھنی ہوگی اور نصاب کے دوسرے مضامین کی تعلیم میں اس کی حیثیت ذریعہ تعلیم کی ہوگی"۔

یہ حکومت کے احکام کی خلاف ورزی تھی جس کے نتیجے میں تمام اسکولوں سے اردو ختم کردی گئی۔ لگ بھگ اسی کے ساتھ ڈسٹرکٹ بورڈ کے تمام اسکولوں سے بھی اردو کا صفایا ہو گیا اور باوجود لگاتار یاد دہانیوں اور گزارشات کے صوبائی حکومت اس غلط فہمی کا ازالہ کرنے میں ناکام رہی۔ اس کا کل نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بچے جن کی مادری زبان اردو ہے، ان کو یہ اجازت نہیں کہ وہ بنیادی تعلیم اپنی اردو زبان میں حاصل کر سکیں۔ چناں چہ اردو، صوبے کے تمام بیسک اسکولوں سے ختم کردی گئی۔ اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ بہت سے بچوں کے معاملے میں ان کی مادری زبان جو کچھ پہلے تک اردو کے طور پر درج تھی اسے ان کے سرپرستوں کی منشا کے بغیر ہندی کروا دیا گیا ہے۔

جب یہ صورت حال انجمن ترقی اردو کے سامنے آئی کہ لوگوں کی شکایات درست اور جائز تھیں تو اس نے معاملے کی تحقیقات کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی۔ اس کمیٹی کی رپورٹ موصول ہونے کے بعد جب یہ بات صاف ہوگئی کہ لوگوں کی شکایات درست اور جائز تھیں تو انجمن نے فیصلہ کیا کہ وہ وزیر تعلیم کی خدمت میں اپنی یہ شکایات پیش کرنے کے لیے انجمن کے صدر ڈاکٹر ذاکر حسین کی قیادت میں اپنا وفد بھیجے۔ چناں چہ سات اراکین پر مشتمل انجمن کا ایک وفد 22 مئی 1951 کو ڈاکٹر سمپورنانند کی خدمت میں حاضر ہوا جو اس وقت اتر پردیش کے وزیر تعلیم تھے۔ وفد نے صرف لکھنؤ کے شہر سے تعلق رکھنے والے دس ہزار سے زیادہ ان بچوں کے سرپرستوں کی درخواستیں وزیر تعلیم کے سامنے رکھیں جو اپنے بچوں کو اردو کے ذریعے تعلیم دلانا چاہتے تھے۔ وفد کی عرض داشت کو ہمدردی کے ساتھ سنا گیا۔ شکایات کو جائز سمجھتے ہوئے وزیر تعلیم نے یہ بات تسلیم کی کہ لازمی تعلیم کے آفیسر شری سنہا نے جو سرکلر جاری کیا ہے وہ گورنمنٹ کی پالیسی سے مطابقت نہیں رکھتا۔ وفد کو یقین دلایا گیا کہ اگلے سیشن کے آغاز یعنی جولائی 1951 سے معاملات درست کر دیے جائیں گے، لیکن یہ یقین دہانی بھی پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔ موجودہ وزیر تعلیم نے 14 جولائی 1952 کو قانون ساز کونسل میں اعلان کیا کہ ڈائرکٹر آف ایجوکیشن کی جانب سے یہ ہدایات جاری کردی گئی ہیں کہ اگر کسی اسکول میں 40 لڑکے ایسے ہیں جو اردو کے ذریعے تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ان کے لیے ضروری ہدایات جاری کی جائیں۔ ان ہدایات پر عمل درآمد نہیں ہو رہا ہے اور معاملہ وہیں کا وہیں ہے۔ ٹیسٹ کیس کے طور پر 7 اگست 1952 کو صاحب گنج وارڈ لکھنؤ کے 90 طالب علموں کے سرپرستوں نے یوپی کے وزیر تعلیم اور سپرنٹنڈنٹ آف ایجوکیشن میونسپل بورڈ لکھنؤ کو درخواست بھیجی جس میں گزارش کی گئی تھی کہ چوں کہ اردو ان کے بچوں کی مادری زبان ہے اس لیے انھیں تعلیم اردو کے ذریعے دی جائے۔ اس درخواست کا کوئی جواب موصول نہیں ہوا اور نہ اسکول میں ایسا کوئی بندوبست ہوا جس کے لیے درخواست دی گئی تھی۔

اس سلسلے میں غور طلب یہ بھی ہے کہ تعلیم کا سسٹم عام اسکولوں کا ایسا بدل گیا ہے کہ اب اردو کے لیے کوئی گنجائش ہی نہیں۔ پہلے پرائمری اسکول ٹیچروں کے لیے ضروری تھا کہ وہ ہندی اور اردو دونوں پر عبور رکھتے ہوں لیکن اب اردو ٹیچروں کی کوئی ٹریننگ نہیں ہو رہی ہے۔

مزید برآں ہندی اور اردو کی نصابی کتابوں کی اشاعت کے معیار میں بھی زمین آسمان کا فرق ہے۔ شعبۂ تعلیم ہندی کی نصابی کتابوں کے لیے ناشرین سے ٹینڈر طلب کرتا ہے اور ہر کتاب کا آرڈر ایک مخصوص تعداد کے ساتھ دیا جاتا ہے جو ہندی کتابوں کی فروخت کی ضمانت ہے۔ دوسری طرف ڈائرکٹر آف ایجوکیشن یوپی نے ایک سرکلر جاری کیا ہے جس کی رو سے پبلشر اپنے رسک پر اردو کی کتابیں چھاپ سکتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اردو کی نصابی کتابیں مارکیٹ میں بمشکل ہی دستیاب ہو پاتی ہیں۔

ان حالات میں جناب صدر ہمارے پاس دفعہ 347 کے تحت آپ سے رجوع کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا ہے جس میں کہا گیا ہے:

"کسی زبان کے بارے میں اسے تسلیم کیے جانے کے حق میں اگر صدر مطمئن ہیں کہ آبادی کی ایک قابل ذکر تعداد اسے بولنے والوں کی ہے کہ صدر اسے تسلیم کرلیں تو صوبائی حکومت اسے تسلیم کر سکتی ہے لہٰذا صدر کی جانب سے ہدایت ہے کہ اس زبان کو بھی تمام صوبے میں سرکاری طور پر تسلیم کرلیا جائے گا، ان مقاصد کے لیے جس کی واضح طور پر نشان دہی کردی گئی ہو"۔

مندرجہ بالا دفعہ کی شرائط کو پورا کرنے کی غرض سے انجمن نے اتر پردیش میں دستخطی مہم شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ بیس لاکھ پچاس ہزار سے زیادہ دستخط جمع کیے جا چکے ہیں۔ دستخط کنندگان نے اپنے کنبوں کے نابالغ ممبران کی بھی نشان دہی کی ہے، ایسے نابالغوں کی تعداد 22 لاکھ سے زیادہ ہے۔ ان دستخطوں سے ہر ذات پات کے لوگوں کی نمائندگی ہوتی ہے جن کے جدول ضلعوں اور فرقوں کی بنیاد پر تیار کیے گئے ہیں۔ جو مشتبہ مواد تھا اسے گہری جانچ پڑتال کے بعد منسوخ کر دیا گیا تھا۔ یہ کام مربوط طریقے سے انجام دیا گیا تھا لگ بھگ مردم شماری کے سے انداز میں۔

اس بات پر زور دینے کی زیادہ ضرورت نہیں کہ اردو زبان اور ادب نے ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کے فروغ میں اہم رول ادا کیا ہے اور آج بھی وہ اس کا ایک اہم جزو ہے۔ اردو زبان اور ادب کا اتر پردیش کے مشترکہ کلچر کے فروغ میں بھی خصوصاً قابل قدر حصہ ہے۔ ہمیں یقین ہے اور ہم پوری دیانت داری سے یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اردو اپنے وافر ذخیرۂ الفاظ، خوب صورت محاورات کے خزانے، سبک اسلوب اور بہ حیثیت مجموعی ایک ترقی پسند لٹریچر کے ساتھ آج بھی ہندی کی قدر و قیمت کو دوبالا کرنے میں اس ہندی کا ساتھ دے گی جو ہمارے آئین کی دفعہ 351 کی رو سے سرکاری زبان ہے اور آئین کی ان توقعات کو پورا کرے گی کہ ہندی کو اس طرح ترقی کرنی چاہیے کہ وہ مشترکہ تہذیب کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کر سکے۔

لہٰذا ہم اتر پردیش کے اردو بولنے والے عوام کی جانب سے جو صوبے کی آبادی کے ایک قابل ذکر حصے کا احاطہ کرتے ہیں جس کے ثبوت میں اردو کے حق میں پیش کی گئی قرار پر 20 لاکھ دستخط ہیں اور جس میں کہا گیا ہے کہ اردو کو اتر پردیش کی علاقائی زبانوں میں سے ایک زبان کے طور پر تسلیم کیا جائے اور اسے پورے صوبے میں سرکاری سطح پر اس طرح نافذ کیا جائے کہ اس سے مندرجہ ذیل مقاصد پورے ہوتے ہوں:

۱- اردو پرائمری سطح پر ذریعہ تعلیم ہو اور جہاں کہیں اردو بولنے والوں کی تعداد کافی ہو یعنی ایک اسکول میں چالیس اور ایک ایک کلاس میں دس اردو بولنے والے ہوں وہاں اردو میڈیم کلاس کا بندوبست بہ طور خاص کیا جائے۔ جہاں اردو بولنے والوں کی قابل لحاظ آبادی ہو وہاں اردو میڈیم اسکول قائم کیے جائیں۔ بچے کی مادری زبان کے بارے میں فیصلہ اس کے والدین یا سرپرست کے بیان کے مطابق ہو۔

۲- مناسب تعداد میں ایسے استادوں کی تربیت کا بندوبست کیا جائے جو پرائمری سطح پر اردو کے ذریعے تعلیم دینے کے اہل ہوں۔

۳- اردو میں مناسب تعداد میں نصابی کتابوں کی سپلائی کا بندوبست کیا جائے۔

۴- ان سیکنڈری اسکولوں کو جہاں اردو کے ذریعے تعلیم دی جاتی ہے، صوبے کی طرف سے شناخت (Recognition) حاصل ہو اور صوبائی حکومت کی طرف سے وہ امداد بھی حاصل ہو جو دوسرے سیکنڈری اسکولوں کو حاصل ہے۔

۵- اتر پردیش میں کم از کم ایک یونیورسٹی ایسی ضرور ہو جہاں اردو کو رفتہ رفتہ ذریعہ تعلیم بنایا جاسکے۔

۶- ایسے معروف ادارے جو اردو کے ذریعے ادب اور سائنس کی اعلا تعلیم کی سربراہی کرتے ہیں انھیں صوبائی حکومت کی جانب سے مالی امداد مہیا ہونی چاہیے۔

۷- اردو کے اعلا صلاحیتوں کے ادیبوں اور اسکالروں کی گرانٹ اور انعامات کے ذریعے حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔

۸- ہندستانی اکیڈمی میں اردو ادیبوں کی مناسب نمائندگی ہونی چاہیے۔

۹- سرکاری اور امداد یافتہ لائبریریوں میں اردو کی کتابیں بھی فراہم ہونی چاہیے۔

۱۰- صوبے کی عدالتوں اور دفتروں میں پیش کی جانے والی اردو عرض داشتوں کے لیے بھی ایسی سہولتیں مہیا ہونی چاہیے جن کے ذریعے ان پر غور و خوض اور فیصلے کیے جاسکیں۔

۱۱- گورنمنٹ کی طرف سے جاری کیے گئے اہم نوٹس، قوانین اور کتابیں اردو میں بھی جاری کی جائیں۔ ایسی دستاویزیں جنھیں عام طور پر لوگوں کو استعمال میں لانا ہوتا ہے مثلاً الیکشن اور راشن کارڈ وغیرہ۔

(انگریزی سے ترجمہ)

●●●

اردو دُنیا

پبلک سروس کمیشن کے ذریعے اردو کے مستقبل سے کھلواڑ

انجمن ترقی اردو مدھیہ پردیش کا احتجاج

بھوپال (۱۸ جولائی)۔ مدھیہ پردیش کے محکمہ اعلا تعلیمات کے ذریعے ایم ایل بی گرلز کالج سے اردو درجات کو دوسرے کالج میں منتقل کرنے کا معاملہ ابھی گرم ہے کہ اردو کے ساتھ ایک اور کرم فرمائی کی گئی ہے۔ کالجوں کے لیے پبلک سروس کمیشن (ایم پی) میں اردو کے لیے جو اسامیاں نکالی گئی ہیں وہ صرف شیڈول ٹرائبس (ایس ٹی) اور شیڈول کاسٹ (ایس سی) کے لیے ہیں، جنرل کوٹے میں کوئی نہیں ہے۔ اس سلسلے میں انجمن ترقی اردو مدھیہ پردیش نے سخت احتجاج کیا ہے۔

انجمن ترقی اردو مدھیہ پردیش نے کہا ہے کہ پبلک سروس کمیشن (پی ایس سی) کو جو فہرست فراہم کی گئی ہے اس کے مطابق یہ اشتہار نکالا گیا ہے۔ اعداد کے گورکھ دھندے کے مطابق اردو کو اسامیاں تو دے دیں لیکن انھیں ایس سی ایس ٹی کے کوٹے میں ڈال کر عملی طور پر نہ دینے کے برابر کر دیا گیا ہے کیوں کہ ان طبقوں میں اردو کے امیدوار کب دستیاب ہوں گے۔ انجمن نے مطالبہ کیا ہے کہ ان اسامیوں کو جنرل اور او بی سی کوٹے میں منتقل کیا جائے جیسا کہ ماضی میں کیا گیا تھا ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ مختلف طریقوں سے اردو کا حق کچلا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں انجمن کا ایک وفد وزیر تعلیم اور وزیر اعلا سے ملاقات کرنے والا ہے۔

(ندیم بھوپال)

جموں وکشمیر کے تمام خطوں میں اردو پڑھائی جائے

اردو کونسل کے وفد کا ریاست کے گورنر این این ووہرا سے مطالبہ

سری نگر (۲۰ اگست)۔ جموں وکشمیر کی سنٹرل یونیورسٹی کے علاوہ ماتا ویشنو دیوی اور اسلامک یونیورسٹیوں میں اردو پڑھانے کے معاملے پر یونیورسٹی کورٹنگ کونسل کی اگلی میٹنگ میں غور کیا جائے گا۔ یہ یقین دہانی ریاست کے گورنر این این ووہرا نے جموں وکشمیر اردو کونسل کے ایک وفد کو ایک ملاقات کے دوران کرائی۔

جان محمد آزاد کی قیادت میں اس وفد کو گورنر موصوف کے ساتھ ریاست میں اردو کو درپیش مشکلات کے بارے میں بات چیت کرنے کے لیے یہاں کے راج بھون مدعو کیا گیا تھا۔ وفد نے گورنر سے کہا کہ جموں وکشمیر میں چل رہی جملہ یونیورسٹیوں کے سربراہ چانسلر کے طور پر یونیورسٹیوں میں اردو تعلیم شروع کرنے کا فیصلہ آپ کے حد اختیار میں ہے۔ وفد نے گورنر سے یہ بھی مطالبہ کیا کہ کشمیر یونیورسٹی کے جنوبی کیمپس کے طرز پر دیگر کیمپسوں میں بھی اردو کورسز شروع کروائے جائیں، جس پر ووہرا نے فوری کارروائی کا یقین دلایا۔ وفد نے ریاست میں اردو زبان کے فروغ کے تئیں ہورہی مسلسل عدم توجہی پر تشویش کا اظہار کیا۔ ریاست کے تینوں خطوں کے درمیان تال میل اور رابطے کے لیے اردو کی اہمیت اور ضرورت کو اجاگر کرتے ہوئے وفد نے گورنر سے اردو زبان کو ریاست کے تمام خطوں میں پرائمری کلاس سے یونیورسٹی سطح تک پڑھانے کا مطالبہ کیا۔

گورنر نے وفد کو یقین دہانی کرائی کہ وہ اردو زبان کے فروغ کے لیے لازمی اقدام کریں گے۔ انھوں نے کہا کہ ریاست کی مختلف یونیورسٹیوں میں اردو زبان کے فروغ کے لیے پہلے ہی اقدام کیے جاچکے ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ اعلا تعلیمی اداروں میں اردو کے استعمال اور اسے پڑھانے کے سلسلے میں وہ عنقریب ہی ایک مفصل جائزہ لیں گے۔ اردو کونسل کے وفد نے گورنر کے ساتھ اردو زبان سے منسلک دیگر امور پر بھی تبادلۂ خیال کیا اور اردو کی ترقی اور فروغ کے حوالے سے 51 نکات پر مشتمل ایک مفصل یادداشت انھیں پیش کی۔

وفد میں اور لوگوں کے علاوہ لداخ میں اردو کونسل کے نمائندے صادق علی اور دہلی کی معروف اردو شخصیت ممتاز قمر بھی شامل تھے۔ وفد کے ایک ممبر اعجاز احمد ککرو نے گورنر کے ساتھ ملاقات کے بعد کہا کہ گورنر صاحب کی طرف سے ماتا ویشنو دیوی اور اسلامک سنٹرل یونیورسٹیوں سمیت سبھی یونیورسٹیوں میں اردو شروع کرنے کی یقین دہانی زبان کے فروغ کے لیے ایک غیر معمولی قدم ہے۔ انھوں نے یقین ظاہر کیا کہ گورنر موصوف کی طرف سے جو یقین دہانیاں اردو زبان کے حوالے سے کی گئیں انھیں عنقریب پورا کیا جائے گا۔

(اردو ایکشن۔ بھوپال)

محبان اردو کے وفد کی نائب وزیر اعلا سے نمائندگی

حیدرآباد (یکم ستمبر)۔ محبان اردو کا ایک وفد جناب محمد محمود علی (ڈپٹی چیف منسٹر حکومت تلنگانہ) سے آج اردو۔ انجمنوں کے مسائل پر ملاقات کی اور ایک تفصیلی یادداشت ڈپٹی چیف منسٹر کو پیش کی گئی جس میں کہا گیا کہ ڈائرکٹر آف اسکول ایجوکیشن کے دفتر میں اسپیشل آفیسر اردو کے پوسٹ کو ختم کر دیا گیا اور اس کی جگہ ہندی اسپیشل آفیسر کا تقرر کیا گیا، اس لیے فوری طور پر ایک ڈپٹی ایجوکیشن آفیسر برائے اردو تقرر کیا جائے جو اردو اساتذہ کے مسائل کو بہ خوبی حل کر سکے۔ اس وفد میں محمد اسماعیل اطرب انصاری، محمد اسماعیل حسین، شاہانہ خان، دردانہ مسکان، غلام ساجد اور شیخ وسیم کے علاوہ تعلیمی نوجوانوں کی کثیر تعداد موجود تھی۔ جناب محمد محمود علی نے وفد کو یقین دلایا کہ حکومت جلد از جلد اردو اور انجمنوں کے مسائل کو حل کرے گی۔

(رہنمائے دکن۔ حیدرآباد)

ممبئی یونیورسٹی میں اردو بھون کے قیام کی منظوری

ممبئی۔ مہاراشٹر کی ریاستی حکومت نے ممبئی یونیورسٹی میں اردو بھون تعمیر کرنے کی اجازت دے دی ہے اور اقلیتی امور کے وزیر محمد عارف نسیم خاں نے یہ اعلان کیا ہے کہ اردو بھون کی تعمیر کے لیے جتنی رقم درکار ہوگی وہ ان کی وزارت ادا کرے گی۔ وزیر اعلا تعلیم راجیش ٹوپے، پرووائس چانسلر ڈاکٹر نریش چندرا کی موجودگی میں منعقدہ اعلا سطحی میٹنگ کے دوران محمد عارف نسیم خاں نے کہا کہ حکومت نے سفارشات میں واقع ممبئی یونیورسٹی کی قطعۂ اراضی پر چار منزلہ اردو بھون تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس میں منی تھیٹر، عالمی سطح کی لائبریری اور دیگر سہولیات دستیاب ہوں گی۔ منعقدہ میٹنگ کے دوران پرووائس چانسلر چندرا، ڈاکٹر صاحب علی، معتزہ خان (شعبۂ اردو ممبئی یونیورسٹی) نے بتایا کہ یونیورسٹی کی 638 میٹر قطعۂ اراضی پر شعبۂ اردو کی عمارت اور اردو بھون تعمیر کیا جائے گا۔

(صدائے اردو۔ بھوپال)

اردو ٹی ای ٹی کامیاب امیدواروں کے تقرر میں

ہورہی تاخیر کے خلاف مظاہرہ

اررریا، بہار (۲۰ اگست)۔ ٹی ای ٹی اردو اسپیشل کامیاب امیدوار تقرر میں ہورہی تاخیر کے خلاف آج نہ صرف سڑکوں پر اترے بلکہ زوردار تحریک چھیڑنے کی بھی دھمکی دی ہے۔ نیتاجی سبھاش اسٹیڈیم سے ایک جلوس کی شکل میں مختلف چوک چوراہوں سے ہوتے ہوئے کلکٹریٹ تک پہنچ کر اپنے مطالبات کی حمایت میں مظاہرہ کیا اور دھرنے پر بیٹھ گئے۔ انھوں نے اپنے ہاتھوں میں تختیاں اٹھا رکھی تھیں جس پر لکھا تھا کہ حکومت اپنا وعدہ پورا کرے، اساتذہ کے تقرر کو یقینی بنائے، ٹی ای ٹی کامیاب امیدواروں کے تقرر میں ٹال مٹول کی پالیسی ختم کی جائے۔ جلوس کی قیادت اررریا ضلع اکائی کے صدر اطہر حسین مظاہری اور نائب صدر عبدالحق نے کی۔ انھوں نے نامہ نگاروں کو بتایا کہ ٹی ای ٹی اردو اسپیشل اہلیت ٹسٹ جنوری ۲۰۱۳ء میں ہوا اور نتائج نومبر میں آچکے ہیں۔ حکومت کی جانب سے ۲۸؍ جنوری ۲۰۱۳ء کو تقرر کی کارروائی شروع کی گئی تھی لیکن تب سے لے کر آج تک اس معاملے کو ٹالا جا رہا ہے جس کی وجہ سے آج ہم تمام لوگ تحریک چلانے پر مجبور ہیں۔ انھوں نے کہا کہ بیشتر اسکولوں میں اردو اساتذہ کی کمی شدت کے ساتھ محسوس کی جارہی ہے۔ اس کے باوجود موجودہ ریاستی حکومت کی جانب سے اس معاملے میں کوئی کارروائی نہیں کی گئی ہے جو انتہائی افسوسناک ہے۔ عبدالحق نے کہا کہ ہم اپنے حقوق کی بازیابی کے لیے جدوجہد جاری رکھیں گے اور تب تک خاموش نہیں بیٹھیں گے جب تک ہمارا تقرر نہیں ہو جاتا۔ دھرنے پر بیٹھنے والوں میں محمد شائق الاسلام، محمد مبین، افتخار عالم، امام حسین، محمد فاروق، عبدالرحمن، محمد نعمان، محمد اصغر، حاجی محمد شائق، محمد ریحان، محمد عمران، رضا نور ودیگر سیکڑوں امیدواروں کے نام شامل ہیں۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

سرکار ہی نہیں اہل زبان بھی اردو کی بدحالی کے ذمے دار

اردو ملازمین سے لیے جارہے ہیں دوسرے کام

بہار شریف، بہار۔ ریاست کی دوسری سرکاری زبان اردو آج پوری طرح بدحالی کی شکار ہے۔ سرکاری دفاتر سے اردو اسکول، کالج اور یونیورسٹی تک بھی جگہ اردو تعصب کی شکار ہے۔ سرکار نے اردو ٹرانسلیٹر اور اردو کا پوسٹ کی تقرری تو کی لیکن پہلے سے جو بحال ہیں ان کو اردو کام کرنے کے بجائے دوسرے کاموں میں لگا دیا ہے۔ سچائی یہ ہے کہ اردو کی بدحالی کے لیے جتنی قصوروار سرکار ہے اتنے ہی ذمے دار اردو کی روٹی کھانے والے اور اردو داں ہیں۔ اس سلسلے میں ضلع کلکٹر سے بات کرنے کی کوشش کی گئی تو انھوں نے ٹال دیا۔ ایسے ہی راشٹریہ سہارا سے کچھ بھی کہنے سے گریز کیا۔ اردو مڈل اسکول کے غیر اردو داں ہیڈ ماسٹر ارجن کمار نے اردو کے سوال پر جواب دینے کے بجائے صرف ادھر ادھر کی باتیں کیں۔ اسی اسکول کی لیڈی ٹیچر عشرت جہاں کہتی ہیں کہ سرکار کے ساتھ کارکنان بھی اردو کی زبوں حالی کے ذمے دار ہیں۔ انھوں نے الزام لگایا کہ اردو کی بدحالی اور لاچاری کا خاتمہ سرکار کی وجہ سے ہوا ہے۔ آج اردو مڈل اسکول اور پرائمری اسکولوں میں زیر تعلیم بچے اور بچیاں بنچ کرسی کے بجائے دری یا پھر فرش پر بیٹھ کر تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ عظیم ہائی اسکول کے پرنسپل فضل الرحمن کا کہنا ہے کہ اردو کی بدحالی کے لیے پرائمری اور مڈل اسکول کے ٹیچرس قصوروار ہیں، کیوں کہ یہ لوگ اردو کی تعلیم نہیں دیتے، اگر پڑھاتے بھی ہیں تو آدھے ادھورے۔ اس اسکول میں کثیر

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

اردو میڈیم اسکول میں ہی اردو اساتذہ کی کمی

زینت محل جعفرآباد کی طالبات کا مستقبل تاریک، سرپرستوں کو تشویش

نئی دہلی (۸ستمبر)۔ جمنا پار میں حکومت کا واحد اردو میڈیم اسکول (زینت محل) جعفرآباد میں واقع ہے جس میں ہزاروں طالبات زیر تعلیم ہیں، جن کا میڈیم اردو ہونے کے باوجود اردو اساتذہ کے فقدان سے اردو میڈیم کی طالبات کا مستقبل تاریک نظر آرہا ہے، جس کی طرف کوئی توجہ دینے والا نہیں ہے۔ عوامی نمائندوں اور سرکاری افسروں کی لاپروائی سے سرپرستوں اور والدین میں تشویش پائی جارہی ہے۔ اس اسکول کے تعلق سے جب محبان اردو اور طالبات کے والدین سے بات چیت کی گئی تو پتا چلا کہ اس اردو میڈیم اسکول میں تقریباً ۵ ہزار طالبات زیر تعلیم ہیں، ان میں تقریباً تین ہزار طالبات کا میڈیم اردو ہے، جنھیں پڑھانے کے لیے صرف چار ہی اردو اساتذہ ہیں جب کہ طالبات کی تعداد کے اعتبار سے پچاس اردو اساتذہ کی روز اول سے ہی کمی ہے۔ سماجی کارکن حاجی شکیل احمد انصاری کا کہنا ہے کہ جس طرح اپنی محنت و لگن سے طالبات اپنا رزلٹ بہتر کرتی ہیں، اگر ان طالبات کو اردو اساتذہ میسر ہوجائیں تو جعفرآباد کا یہ اردو میڈیم اسکول دہلی کے تمام اردو میڈیم اسکولوں سے بہتر ہوجائے گا۔

بیشتر طالبات نے بتایا کہ صفائی ملازمین کم ہونے سے صاف صفائی کا نظام بھی ٹھیک نہیں ہے، کلاسوں میں گندگی رہتی ہے، بیت الخلاؤں کی حالت بھی ٹھیک نہیں ہے۔ اسکول کی عمارت خستہ ہوتی جارہی ہے اور معمولی بارش ہوتے ہی پورا اسکول زیر آب ہوجاتا ہے۔ تین چوکیدار ہیں جو ناکافی ہیں مزید پانچ چوکیداروں کی ضرورت ہے۔ باؤنڈری وال چھوٹی ہے، بچوں کے پروگرام کے لیے ایک ہال اور طالبات کی تعداد کے اعتبار سے مزید کلاسوں کی سخت ضرورت ہے۔ طالبات اور ان کے والدین کا کہنا ہے کہ نویں سے بارہویں جماعت تک کی کتابیں نہ ملنے سے اردو میڈیم سے تعلیم بے حد متاثر ہے اور صرف محنت و لگن ہی کامیابی کی ضمانت ہے ورنہ اردو اساتذہ کا فقدان اور اردو کتابیں نہ ہونا تیرگی میں ہی کھیلنے کے مترادف ہے۔

ڈاکٹر ایم آر قاسمی، حاجی محبوب الٰہی اور قاری جان عالم کیرانوی نے بتایا کہ اسکول کی عمارت کافی پرانی ہوتی جارہی ہے، اس لیے محکمۂ تعلیم کو چاہیے کہ جعفرآباد کے زینت محل کی عمارت کو از سر نو ملٹی اسٹوری بنائے۔ جعفرآبادی محلہ خدمت گار کمیٹی کے سکریٹری عبدالعلیم برنی نے بتایا کہ تنظیم کی طرف سے تحریری طور پر متعلقہ محکمہ کے اعلا افسران سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ جعفرآباد زینت محل اسکول (اردو میڈیم) میں اردو اساتذہ کی تقرری کی جائے تاکہ اردو میڈیم کی طالبات کا مستقبل مزید بہتر ہوسکے۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

ٹی ای ٹی اردو امیدواروں کا وزیر اعلا کو میمورنڈم

کٹیہار، بہار (۹ستمبر)۔ گزشتہ برس اکتوبر میں ٹی ای ٹی اردو-بنگلہ کے لیے خصوصی امتحان کا انعقاد کیا گیا تھا، اس کا نتیجہ بھی گزشتہ برس ۲۹نومبر کو شائع کردیا گیا تھا۔ اس میں تقریباً 15910 امیدوار کامیاب ہوئے تھے لیکن ریاستی حکومت کی جانب سے انھیں تقرر کا پروانہ نہیں سونپا گیا۔ دو نکاتی مطالبات کی حمایت میں ضلع اردو بنگلہ ٹی ای ٹی کامیاب امیدوار یونین کٹیہار کی جانب سے دھرنے کا اہتمام کیا گیا۔ اس کی صدارت یونین کے صدر جمیل اختر نے کی۔ مطالبات کی حمایت میں ایک میمورنڈم ضلع مجسٹریٹ کے ذریعے وزیر اعلا کو ارسال کیا گیا ہے۔ اس موقعے پر جمیل اختر نے بتایا کہ موجودہ ریاستی حکومت نے اردو اور بنگلہ اساتذہ کو یقین دہانی کرائی تھی کہ بہت جلد انھیں تقرر کا پروانہ سونپ دیا جائے گا لیکن محکمۂ تعلیم کی طرف سے ابھی تک اس سلسلے میں کوئی ٹھوس حکمت عملی نہیں بنائی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یونین نے مطالبات کی حمایت میں تحریک شروع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

اردو اساتذہ کی جلد تقرری کا مطالبہ

جالے، بہار (۲۹اگست)۔ اسپیشل اردو ٹی ای ٹی امتحان میں کامیاب امیدواروں میں بحالی کو لے کر تاخیر کے خلاف بے اطمینانی بڑھتی جارہی ہے۔ ۲۸اگست کو کامیاب امیدواروں نے جالے میں ایک میٹنگ کرکے اب تک بحالی نہیں کیے جانے پر حکومت کے اقدام کی مذمت کی اور اس تاخیر کو اردو کے خلاف ایک منظم منصوبہ بتایا۔ میٹنگ میں اتفاق رائے سے فیصلہ لیا گیا کہ اگر اس سمت میں حکومت کوئی واضح پالیسی نہیں لاتی ہے تو اس کے لیے تحریک چلائی جائے گی، حالاں کہ محکمۂ تعلیم کے ڈائرکٹر کا جو بیان سامنے آیا ہے اس سے ناراض امیدواروں میں کچھ امیدیں جگی ہیں لیکن واضح طور پر کوئی حتمی فیصلہ سامنے نہیں آنے پر پریشانیاں برقرار ہیں۔ غور طلب ہے کہ ریاستی حکومت نے اسپیشل اردو-بنگلہ ٹی ای ٹی امتحان میں کامیاب امیدواروں کو دسمبر ۲۰۱۳ء تک بحال کرلیے جانے کا بھروسہ دلایا تھا لیکن ۸ ماہ گزر جانے کے باوجود اس ضمن میں کوئی کارروائی نہیں ہوپائی ہے جس سے امیدواروں میں سخت ناراضگی ہے۔ اس سلسلے میں حکومت اگر سنجیدہ ہوتی تو اب تک بحالی کا عمل شروع کروا چکی ہوتی۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

رفتید و لے نہ از دلِ ما

سری نگر۔ وادی کشمیر کے نامور شاعر، ادیب اور قلم کار پروفیسر سید محمد رضا موسوی ۱۹ستمبر ۲۰۱۴ء کو شیر کشمیر میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں انتقال کرگئے۔ وہ کچھ عرصے سے بیمار تھے۔ مرحوم کشمیر کے ضلع بڈگام سے تعلق رکھتے تھے۔ ۲۰ستمبر کو انھیں ان کے آبائی قبرستان واقع پالر بڈگام میں سپرد خاک کردیا گیا۔

سید محمد رضا موسوی گورنمنٹ ڈگری کالج بڈگام میں پروفیسر کے عہدے پر فائز تھے۔ انھوں نے اردو اور کشمیری زبان و ادب میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، خاص طور پر حمد، نعت، منقبت، نوحہ، سلام، غزل اور نظم میں طبع آزمائی کی اور اپنی علمی اور ادبی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ اردو اور کشمیری زبان میں ان کا کلام مستند اور معتبر مانا جاتا ہے۔ پروفیسر سید محمد رضا موسوی کے بہت سے مقالات ملک و بیرون ملک کے معتبر رسائل و جرائد میں شائع ہوچکے ہیں۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

اردو میڈیم سرکاری پرائمری اسکول کی نئی تعمیر شدہ بلڈنگ بنیادی سہولتوں سے محروم

پینے کے پانی اور بجلی کی عدم فراہمی سے طلبہ کو مشکلات

حیدرآباد (۱۴اگست)۔ کسی بھی ملک یا قوم کی ترقی کے لیے باشندوں کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے، اسی لیے آج کے اس دور میں ہر کوئی تعلیم کو اپنی پہلی ترجیح دے رہا ہے، چاہے وہ غریب ہی کیوں نہ ہوں۔ شہر حیدرآباد میں کئی ایسے سرکاری اسکول ہیں جہاں پر طلبہ کو بنیادی سہولتیں تک میسر نہیں ہیں، خاص طور سے محکمۂ تعلیم نے اردو میڈیم اسکولوں کو نظر انداز کردیا ہے، حالاں کہ اردو میڈیم اسکولوں میں طلبہ کی تعداد کافی ہے اس کے باوجود محکمۂ تعلیم کے اعلیٰ عہدیدار اس طرف توجہ نہیں دے رہے ہیں جس کی وجہ سے غریب افراد کے مستقبل کے سہارے ان کے بچوں کو سرکاری اسکولوں میں مشکلات کا سامنا ہے۔ حلقہ اسمبلی بہادر پورہ کے علاقے نواب صاحب کنٹہ میں ایک نئی بلڈنگ تعمیر کی گئی، اس نئی تعمیر شدہ عمارت میں تین فلور موجود ہیں، ان تینوں فلوروں پر جملہ چھ رومس موجود ہیں۔ اس نئی تعمیر شدہ بلڈنگ کو پرائمری اور ہائی اسکول چلانے کے لیے تیار کیا گیا ہے لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ تعلیمی سال 2014-15 شروع ہوکر تین ماہ ہوگئے ہیں لیکن یہاں پر صرف پرائمری اسکول نئے [illegible] ہی چلایا جارہا ہے۔ واضح رہے کہ یہ اسکول گزشتہ سال ایک خانگی مکان میں اپنی خدمات انجام دے رہا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ہائی اسکول ابھی تک کیوں شروع نہیں کیا گیا؟ کیوں اس اسکول کو نظر انداز کیا جارہا ہے؟ اس کے علاوہ اس اسکول کی عمارت میں جو پرائمری اسکول شروع ہوچکا ہے اس کی حالت بھی خراب ہے۔ حیدرآباد میں ایک کہاوت بہت مشہور ہے "حیدرآباد نگینہ اندر مٹی اور پر چونا" اس کہاوت کی طرح ہی نئے تعمیر کردہ پرائمری اسکول کی عمارت باہر سے نئی اور چمکتی ہے لیکن اندر بنیادی سہولتوں سے محروم ہے۔ اس اسکول میں طلبہ کے لیے پینے کے صاف پانی کا انتظام نہیں ہے اتنا ہی نہیں بلکہ جماعت کے کمروں میں برقی کی سہولت بھی نہیں ہے جس کی وجہ سے شدید گرمی میں طلبہ کا

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

اردو مترجمین کے مسائل کا ازالہ جلد ہوگا

لکھنؤ (۱۸اگست)۔ اترپردیش اردو انوواد ک راجپتر کرمچاری سنگھ کی ریاستی مجلس عاملہ کی ایک نشست صوبائی صدر شفیق الرحمن کے زیر صدارت وکاس بھون، اندرا نگر لکھنؤ میں واقع لوہیا میٹنگ ہال میں ہوئی۔ میٹنگ میں ریاست کے سبھی اضلاع سے آئے ہوئے ضلع سطح کمیٹی کے ممبران اور عہدیداران کے علاوہ کثیر تعداد میں اردو مترجمین نے شرکت کی۔ ریاستی صدر نے میٹنگ کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اردو مترجمین کی تنخواہ و دیگر سروس سے متعلق پریشانیوں کو جلد از جلد دور کرانے کی اعلا سطح پر کوشش کی جائے گی۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ اردو مترجمین کے کیڈر کو سدھارنے کی مسلسل کوشش کی جارہی ہے۔ اس سلسلے میں اترپردیش کے وزیر اعلا اکھلیش یادو سے بھی ملاقات کرکے انھیں صورت حال سے واقف کرایا جاچکا ہے۔ اس موقعے پر انھوں نے وفد کو یقین دہانی کرائی ہے کہ جلد ہی ان کی پریشانیوں کو حل کردیا جائے گا۔ میٹنگ میں ریاستی جنرل سکریٹری محمد کلیم کی وفات کی وجہ سے خالی ہوئے عہدے پر حیدر رضا کو اتفاق رائے سے تنظیم کا ریاستی جنرل سکریٹری نامزد کیا گیا۔ ریاستی خازن کے عہدے پر ضلع امبیڈکر نگر کے تقی الدین کو نامزد کیا گیا۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

اردو میڈیم کمپلیکس کی برقراری کا مطالبہ

حیدرآباد (۱۳اگست)۔ اسٹیٹ ڈائرکٹر سروشکشا ابھیان (SSA) کے حالیہ احکام کے مطابق تمام اضلاع میں تلگو و اردو میڈیم کمپلیکس اسکولس (Clusters) کی تنظیم جدید کی گئی، جس کے مطابق منڈل کی سطح پر ہر 18 پرائمری و اپر پرائمری اسکولوں کو ملاکر ایک Complex School کا درجہ دیا گیا جہاں پر تمام اساتذہ کے لیے ترجیحی پروگرام منعقد کیے جاتے ہیں اور جدید تدریسی معلومات وغیرہ فراہم کی جاتی ہیں، لیکن منڈلس کی سطح پر اردو میڈیم اسکولوں کی خاطر خواہ تعداد نہ ہونے پر اردو میڈیم اسکولوں کو تلگو میڈیم کمپلیکس کے ساتھ جوڑا جارہا ہے جہاں پر تمام ترجیحی پروگرام اور دیگر معلومات تلگو زبان میں فراہم کی جاتی ہیں جو اردو میڈیم اساتذہ کے ساتھ سراسر ناانصافی ہے۔ جناب محمد یقین الدین، پروفیسر انور خاں اور تمام ضلعی ذمے داران آئمہ نے اسٹیٹ پروجیکٹ آفیسر SSA اور ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر سے مطالبہ کیا ہے کہ جہاں جہاں منڈل و ڈویژن کی سطح پر اردو میڈیم اسکولوں کی خاطر خواہ تعداد ہو وہاں اردو میڈیم کمپلیکس اسکولس باقی رکھے جائیں اور اس کے علاوہ ضرورت پڑنے پر نئے کمپلیکس اسکول قائم کیے جائیں تاکہ اردو میڈیم اساتذہ کے لیے بھی فائدہ مند ترجیحی پروگرام انجام دیے جاسکیں۔

(اعتماد، حیدرآباد)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے
دو کتابوں کا
آنا ضروری ہے

نام کتاب : **قرآنی احکام**
مرتب : ابن غوری
اشاعت : ۲۰۱۳ء
ضخامت : ۱۹۲ صفحات
قیمت : ۱۲۵ روپے
ملنے کا پتا : 11-3-946 امتیاز ریزیڈنسی
چوراہا نوٹے پلی،
حیدرآباد-۱
تبصرہ نگار : امیر حمزہ
ameerhamzah033@gmail.com

موجودہ زمانے میں انسان چاہے وہ عوام ہوں یا خواص سب کے سب عدیم الفرصت کے شکار ہو چکے ہیں خصوصاً کتب بینی کے معاملے میں۔ عام طور پر ستم کتابوں کا حصول مشکل ہوتا ہے۔ ایسے میں ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ جو بھی تلاش کرے موضوعاتی اعتبار سے اسے حاصل ہو جائے۔ ایسے حالات میں موضوعاتی مطالعہ کو فروغ دینا اور آسان اسلوب میں ضروری احکام کو اجاگر کرنا ہماری ذمہ داری بنتی ہے۔ اس کام کو وجود عمل لانے کے لیے ابن غوری صاحب نے پہل کی ہے ان کے اس کام کی ستائش علی میاں ندوی جیسی شخصیت کر چکی ہے۔

مصنف اب تک بیس کتابوں کے مصنف ومرتب بن چکے ہیں۔ قرآنی سلسلے میں ان کی یہ دوسری کتاب ہے۔ اس سے پہلے انھوں نے 'قرآن میں کیا ہے' تالیف کی جو تقریباً ہزار صفحات مشتمل ہے اس کام کو لوگوں نے بہت سراہا ہے۔ یہ کتاب ہند وپاک دونوں جگہ شائع ہو چکی ہے۔ جس میں علی میاں ندوی نے مقدمہ لکھا ہے اور ان کی اس خدمت پر داد وتحسین سے نوازا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے ''قرآن کے مضامین و افادات کو اردو داں طبقے تک پہنچانے کی بہت سی قابل قدر کوششیں ہو چکی ہیں۔ اس سلسلے کی ایک کڑی جناب ابن غوری صاحب کی یہ کتاب بھی ہے۔

مصنف نے اپنے علمی اور قرآنی جوش وخروش کو سامنے رکھتے ہوئے زیر تبصرہ کتاب 'قرآنی احکام' کو مرتب کیا ہے جو در اصل 'قرآن میں کیا ہے' کا ماحصل ہے۔ زیر تبصرہ کتاب میں انھوں نے صرف احکام پر قناعت کیا ہے۔ قصص اور دیگر تبلیغ کو شامل نہیں کیا ہے۔

اس مختصر سی کتاب میں مرتب نے سورۂ بقرہ سے سورۂ ناس تک جتنے احکام ہو سکتے ہیں سب کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے اور ہر سورہ کے احکام کو نمبر شمار کی ترتیب سے مرتب کیا ہے۔

مرتب کی مذکورہ کتاب کو ترجمہ، تفسیر اور تشریح میں تو شمار نہیں کر سکتے البتہ ان کے حاصل مطالعہ کا نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ ابن غوری صاحب نے قرآن پاک کا انہماک کے ساتھ مطالعہ کیا خصوصاً معارف القرآن اور تفسیر ماجدی کی روشنی میں۔ انھوں نے اپنے وسعت مطالعہ سے قرآن کے احکام کو یکجا کیا تا آں کہ ۵۸۰ احکام کو جمع کر لیا۔ ان احکام میں سے بعض میں تکرار بھی ہے۔ بعض احکام نہیں ہیں بلکہ خبر ہیں، ان کو بھی ان احکام میں شمار کیا گیا ہے۔ اور کچھ آیات جس میں اللہ پاک نے خوشخبری سنائی ہے ان کو بھی مرتب نے احکام کے ذیل میں شمار کیا ہے۔

اس کتاب میں مرتب نے بین القوسین اپنی تشریح یا نکتہ پیش کیا ہے جس سے متن کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے حالاں کہ اکثر جگہوں پر صرف ترجمے پر اکتفا کیا۔

من جملہ یہ کتاب قرآنی احکام کا مجموعہ ہے اور اس کتاب کے مطالعے سے بلاشبہ قرآن سے رغبت پیدا ہوگی۔

◎◎◎

نام کتاب : **شورش فکر**
(تنقیدی مضامین کا مجموعہ)
مصنف : ڈاکٹر ثروت خاں
اشاعت : ۲۰۱۳ء
ضخامت : ۲۴۰ صفحات
قیمت : ۳۵۰ روپے
پبلشر : ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس
کوچہ پنڈت، لال کنواں،
دہلی ۶
تبصرہ نگار : ڈاکٹر سید معصوم رضا عشری
rasakidah@gmail.com

زیر تبصرہ کتاب 'شورش فکر' ڈاکٹر ثروت خاں کے تنقیدی، تحقیقی اور تجزیاتی مضامین کا مجموعہ ہے جسے انھوں نے وقتاً فوقتاً سیمینار اور ادبی رسائل کے لیے لکھا ہے۔ کتاب میں چار ذیلی عنوانات کے تحت 23 مضامین شامل کیے گئے ہیں اور آخر میں 'ثروت کی کہانی میری زبانی' ایک تخلیقی کار کا اردو ادب اور ادیبوں پر سخت اور دل چسپ رد عمل ہے جسے تخلیقی رنگ دے کر بڑی خوب صورتی سے پیش کیا گیا ہے۔ کتاب کی اشاعت کے بارے میں خود مصنفہ کی رائے ملاحظہ فرمائیں:

''میں نے کئی تحقیقی، تنقیدی، تاثراتی اور تجزیاتی مضامین لکھے اور یہ بھی مضامین مختلف رسائل وجرائد میں شائع بھی ہوئے ان میں سے زیادہ تر بیشتر انٹرنیشنل سیمیناروں اور کانفرنسوں میں پڑھے گئے مقالے تھے اور جن کے موضوعات وہ تھے جن میں مجھے خاص دل چسپی تھی یعنی ناول، افسانہ، تانیثی ادب، نسائی ادب وغیرہ۔ غرض یہ کہ یہ اثاثہ اس قدر ہو گیا تھا کہ اس میں سے انتخاب کر کے ایک کتاب شائع ہو سکتی تھی، یہ کتاب اسی انتخاب کی تشکیل ہے''۔

کتاب میں شامل ذیلی عنوان میں پہلا عنوان 'تانیثی ادب' ہے، جس کے تحت گیارہ مضامین شامل ہیں جن میں 'تحفظ نسواں اور معاصر اردو ناول'، 'نئی عورت نئے مسائل اور حقیقت پسند افسانہ'، 'تبدیلی کی زد میں معاصر افسانہ'، 'نسائی ادب کی سمت، رفتار اور چیلنجز'، 'رشید جہاں کی فکر- کل اور آج'، 'رشید جہاں اور تانیثی افسانہ- چند پہلو'، 'پنجابی کلچر اور ایک چادر میلی سی'، 'کرشن چندر کے افسانوں میں نسائی کرداروں کی معنویت'، 'ترقی پسند افسانے میں نسوانی کرداروں کے فکر وعمل کا ارتقائی سفر'، 'اردو کے تانیثی ادب میں طنز ومزاح کے عناصر'، 'میرا کا تصور عشق اور اس کی معنویت'۔ یہ بھی مضامین نسائی ادب اور نسوانی کردار کے حوالے سے لکھے گئے ہیں اور ہر مضمون کا محور ومرکز عورت ہی ہے جس کی ادبی شبیہ مکمل دکھائی دیتی ہے۔

دوسرا ذیلی عنوان 'ادب عالیہ' ہے جس کے تحت صرف تین مضامین کو شامل کیا گیا ہے یعنی 'میواڑ کے صوفی سنتوں کی شاعری'، 'مراثی انیس میں انسانی رشتے اور معاصر شاعری میں ان کی تلاش' اور 'غالب کی فکری جہت (کلام فارسی کے آئینے میں)'۔

تیسرا ذیلی عنوان 'بیسویں صدی میں اردو ادب' ہے، جس کے تحت چار تنقیدی مضامین شامل کیے گئے ہیں یعنی 'اختر شیرانی: کچھ نئے حوالے'، 'سجاد ظہیر کا کرب'، 'سلام مچھلی شہری: شخصیت کے آئینے میں' اور آخری مضمون 'اعظم سے پرے ایک شاعر- راہی شہابی'۔ چوتھا ذیلی عنوان 'معاصر ادب' ہے جس کے تحت پانچ مضامین شامل ہیں یعنی محمد حسن کا ناول 'غم دل وحشت دل' کا تجزیاتی مطالعہ، 'ایک انوکھا ناول 'پار پرے''، 'قمر رئیس کی شعری کائنات'، 'وارث علوی کی تنقید کے تخلیقی رموز'، 'تخلیق اور تنقید کے تقاضے'۔ اس ضمن میں سب سے اہم اور آخری مضمون 'ثروت کی کہانی میری زبانی' مصنفہ کی ادبی روداد ہے جس میں حقیقت سے نبرد آزما ہونے، ادیبوں اور سیمناروں یا ادبی سرگرمیوں سے متعلق تلخ شیریں یادوں کو قلم بند کر کے قاری کے حوالے کرنے کی جرأت قابل ستائش ہے۔ ادبی مضامین اور تنقیدی نظریات کی افہام وتفہیم کے طویل سلسلے جاری وساری ہیں لیکن خاص فکری بصیرت اور نسائی ادب کے حوالے سے اس کتاب کی اہمیت وافادیت کا اعتراف کرنا لازمی ہے۔ امید ہے کہ اسے ادبی حلقوں میں ایک نئی کوشش کے طور پر نہ صرف تسلیم کیا جائے گا بلکہ اس کی خاطر خواہ پذیرائی بھی کی جائے گی۔

◎◎◎

بقیہ: اردو کو یوپی میں دوسری سرکاری زبان کا درجہ: ایک جائزہ

صفحہ 8 سے آگے

ان کے ذکر کی ضرورت نہیں)۔

2 ریاست میں ہندی کے علاوہ اگر کسی دوسری زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دیا جا سکتا ہے تو وہ آئین کی دفعہ 347 کے تحت، بشرطیکہ وہ شرائط پوری کی جائیں جن کی صراحت اس دفعہ میں کی گئی ہے۔

3 1989 کے ایکٹ نے منتظمہ (حکومت) کو صرف اختیار دیا ہے کہ وہ ایکٹ پر عمل درآمد کے لیے قواعد وضوابط وضع کرے، لیکن حکومت نے جن مقاصد کے لیے اردو کے استعمال کو جائز ٹھہرایا ہے وہ اس اختیار سے تجاوز کرتا ہے جو اسے ایکٹ (قانون) نے دیا ہے۔ قانون کی خلاف ورزی کے سبب وہ مقاصد نا قابل نفاذ ہیں۔

آئین کی دفعہ 345 کی ہیڈنگ کی عبارت اس طرح ہے: ''ریاست میں سرکاری زبان یا زبانیں'' اس دفعہ میں جو تحریر کیا گیا ہے وہ یہ کہ ریاستی اسمبلی کو اختیار ہوگا کہ وہ ریاست میں بولی جانے والی زبانوں میں سے ایک یا ایک سے زیادہ زبانوں کا انتخاب سرکاری زبان کا درجہ دینے کے لیے کرے یا پھر ہندی یا دوسری زبانوں کا انتخاب کرے۔

اپیل کنندہ کا موقف تھا کہ دفعہ 345 میں آئین نے ریاستی اسمبلی کو سرکاری زبان کے انتخاب کے دو طریقے بتائے ہیں جن میں سے وہ کسی ایک کا انتخاب کر سکتی ہے۔ پہلا یہ ہے کہ وہ ریاست میں بولی جانے والی زبانوں میں سے کسی ایک یا ایک سے زیادہ زبانوں کا انتخاب اس مقصد کے لیے کرے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ ہندی کا انتخاب سرکاری زبان کا درجہ دینے کے لیے کرے۔ اور اگر ایک بار دوسرا طریقہ اپنا کر ہندی کو سرکاری زبان کا درجہ دے دیا گیا ہے تو پھر اسمبلی کے پاس ایسا کوئی اختیار نہیں بچتا جس کے تحت وہ کسی دوسری زبان کو یہ درجہ دے سکے۔

سپریم کورٹ نے اس دلیل کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ دفعہ 345 میں جو زبان استعمال کی گئی ہے وہ بالکل صاف ہے۔ اس میں ایسی کوئی شرط نہیں ہے جو ریاست کو ہندی کے علاوہ ایک یا ایک سے زیادہ زبانوں کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے سے روکتی ہو۔ عدالت نے کہا کہ دفعہ 345 کی تحریر اور اس کے مطلب ومنشا میں کوئی ابہام نہیں ہے۔ اگر کسی ریاست میں ہندی کا استعمال سرکاری کام کاج کے لیے ہو رہا ہے (جیسا کہ یوپی میں) تو اس سے اس ریاست کا اختیار ختم نہیں ہو جاتا کہ وہ کسی دوسری زبان کو سرکاری زبان کی حیثیت دے سکے۔ عدالت نے مزید کہا کہ بہار، ہریانہ، جھارکھنڈ، مدھیہ پردیش اور اتراکھنڈ میں ہندی کے علاوہ دوسری زبانوں کو سرکاری زبان کی حیثیت دی گئی ہے۔ دہلی نے ہندی کے علاوہ پنجابی اور اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دیا ہے۔

سپریم کورٹ نے کہا کہ ریاستوں کے اختیار پر اگر کوئی پابندی ہے تو وہ دفعہ 347 میں ہے جس میں صدر جمہوریہ کو اختیار دیا گیا ہے کہ اگر کسی ریاست کی آبادی کی ایک خاصی تعداد کوئی اپنی زبان بولتی ہے اور چاہتی ہے کہ اسے سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے تو وہ ریاست کو ہدایت دے سکتا ہے کہ ایسی زبان کو بھی پوری ریاست کے لیے یا کسی علاقے کے لیے سرکاری زبان کی حیثیت سے ایسے مقاصد کے لیے تسلیم کرے جس کی صراحت صدر جمہوریہ کی طرف سے کی جائے۔ لیکن سپریم کورٹ نے کہا کہ ایسے کسی اختیار کا استعمال صدر جمہوریہ نے اترپردیش کے معاملے میں نہیں کیا

ہے۔ دفعہ 347 اور دفعہ 345 کے مقاصد ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ اول الذکر کا تعلق صدر جمہوریہ کے اختیارات سے ہے اور آخر الذکر کا ریاستوں کے اختیارات سے۔

اپیل کنندہ کی طرف سے کئی اور دلیلیں اپنے موقف کو صحیح ٹھہرانے کے لیے پیش کی گئیں لیکن عدالت کو قائل کرنے میں ناکام رہیں۔ سپریم کورٹ کو کہنا پڑا کہ عدالت کے لیے یہ نامناسب ہوگا کہ دفعہ 345 کی تعبیر و تشریح اس طرح کی جائے جس طرح اپیل کنندہ (یوپی ہندی ساہتیہ سملن) کے وکیل کا اصرار ہے۔

سپریم کورٹ نے اپیل خارج کردی۔ اپنے فیصلے میں کہا کہ 1989 کے ایکٹ کی دفعہ 3 (جس کے تحت اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا تھا) آئین کے خلاف نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ حکومت کی طرف سے جاری کی گئی وہ نوٹیفکیشن بھی جائز ہے جس کے ذریعے اعلان کیا گیا تھا کہ اردو کا استعمال دوسری سرکاری زبان کی حیثیت میں ان سات مقاصد کے لیے ہوگا جو نوٹیفکیشن میں درج کیے گئے تھے۔

اپنے فیصلے میں چیف جسٹس لودھا نے ایک اہم نکتے کی طرف اشارہ کیا۔ کہا کہ ایسا کہا جاتا ہے کہ قانون اور زبان دونوں کا ارتقائی عمل فطری اور غیر مصنوعی ہے۔ کچھ اسی طرح کی بات انیسویں صدی کے جرمن فلسفی فریڈرک وان (Fredrich Von Savigny) نے کہی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ زبان اور قانون دونوں ہی آہستہ آہستہ اپنی ارتقائی راہیں طے کرتے ہیں۔ وہ مشین میں اصل کر تیار نہیں ہوتے۔ ان کے خد و خال اور شعور خود بہ خود ارتقائی عمل سے بنتے ہیں۔ چیف جسٹس نے مزید کہا کہ ہندوستان میں زبانوں کا ارتقا مختلف زبانوں کے بولنے والوں کی جائز آرزوؤں اور تمناؤں کو قبول کرنے سے ہوتا ہے۔ ہندوستان میں زبان سے متعلق قوانین سخت گیر نہ ہو کر مصالحانہ ہیں اور ان کا مقصد مختلف زبانوں کے درمیان آپسی رواداری کا حصول ہے۔

یہ کلمات شاید (ہی، شاید) اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ایک لمبی اور طویل مدت تک اس فکر میں سرگرداں رہا کہ اس کی اپنی زبان کے مقابلے میں کسی دوسری زبان کے لیے تن آسانی کی راہیں نہ نکلنے پائیں۔ کسی زبان کے ارتقا میں 30 برس کوئی بڑی مدت نہیں، لیکن کسی کم مایت سے محرومیت کے لیے تو ہے۔

اس فیصلے کے مضمرات میں سے ایک یہ ہے کہ پایانِ کار اردو کو اترپردیش میں دوسری سرکاری زبان کا درجہ مل گیا۔ ایسے سات مقاصد کی صراحت کردی گئی ہے جن کے لیے اردو کا استعمال ہوسکتا ہے۔ اس فہرست میں سرکار کی طرف سے وقتاً فوقتاً اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

لیکن مقاصد پر کس حد تک اور کب عمل ہوگا اس کا انحصار اس پر ہوگا کہ کس پارٹی کی سرکار ہے اور اردو بولنے، لکھنے اور پڑھنے والوں کے تئیں اس کا اپنا کیا رویہ ہے۔

جہاں تک زمینی حقائق کا تعلق ہے تو اس فیصلے سے کوئی بڑی امید لگانا بے سود ہے۔ اترپردیش میں کتنے ایسے لوگ ہیں جو مثال کے طور پر اردو زبان میں اپنی درخواستیں دفتروں میں دینا چاہیں گے اور کتنے اردو زبان کے پڑھنے اور لکھنے والے دفتروں اور سرکاری اداروں میں بیٹھے ہیں جو انھیں پڑھ کر انھیں گلے لگالیں گے۔

ہم اردو کے چاہنے والوں نے اردو کی بقا و ارتقا کے لیے وہ نہیں کیا جو ہم کرسکتے تھے۔ اردو تو ہماری ثقافت، ہماری معاشرتی اقدار اور ہمارے تشخص کی پہچان ہے۔ اگر ہم ہی اس کی ترویج و ترقی کی طرف سے نظریں پھیر لیں تو پھر شکایت کس سے کریں۔ اردو کی حیثیت تو انگریزی زبان کی طرح خواص کی زبان بن کر رہ گئی ہے۔ بقیہ لوگ اردو سے اس حد تک نابلد ہیں کہ اپنا نام بھی صحیح طرح نہیں لکھ سکتے۔

(بہ شکریہ: راشٹریہ سہارا، دہلی، 12 ستمبر 2014)

●◆●

بقیہ صفحہ ۴ سے آگے

تعداد میں اچھی ہیں مگر یہاں ایک بھی لیڈی ٹیچر نہیں۔ اردو مڈل اسکول عماد پور کے ہیڈ ماسٹر فاروق اعظم بھی اردو کی بدحالی کے لیے سرکار کو قصوروار مانتے ہیں۔ معتبری وقف اسٹیٹ کے سابق متولی مظہر عالم کا کہنا ہے کہ اردو کی بدحالی میں سرکار کا ہاتھ تو ہے ہی ساتھ ہی اردو داں طبقہ بھی ذمہ دار ہے۔

سماجی رہنما حاجی خالد عالم کا کہنا ہے کہ سرکار نے اردو کے تئیں توجہ نہیں دی یہی وجہ ہے کہ آج اردو ٹرانسلیٹر سے اردو کے بجائے دوسرے کام لے جارہے ہیں۔ اسامیاں خالی ہیں، بی ای ٹی میں کامیاب امیدواروں کی بحالی ابھی تک نہیں ہوئی۔ اس سے بڑی اردو بیزاری اور کیا ہوگی کہ اب مساجد میں بھی اوقات نماز اردو کے بجائے ہندی میں جاری کیا جارہا ہے۔ ضلع کلکٹر بی کارتیکے نے روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' کو ایک لسٹ کے ذریعے بتایا کہ ضلع میں تین اردو ٹرانسلیٹر ہیں، اسسٹنٹ اردو ٹرانسلیٹر کی تعداد 15 ہے۔ اردو ٹائپسٹ کی تعداد ۱۹ ہے۔ انھوں نے بتایا کہ اردو درخواست کی تعداد ہر ماہ دس سے پندرہ ہے۔ ضلع میں اردو کی ترقی کے لیے کام کیے جارہے ہیں۔ ضلع کے بھی سرکاری دفتروں میں ہندی کے ساتھ اردو میں نیم پلیٹ لگایا جارہا ہے، اردو میں درخواست دینے کے لیے تشہیر کرانے کی ہدایت دی گئی ہے۔

(اردو ایکشن۔ بھوپال)

بقیہ صفحہ ۵ سے آگے

برا حال ہورہا ہے۔ ستم صرف اتنا ہی نہیں بلکہ پہلی تا پانچویں جماعت کے لیے صرف دو اساتذہ کی خدمات فراہم کی جارہی ہیں۔ پانچ جماعتوں کے طلبہ کو دو کمروں میں تعلیم دی جارہی ہے۔ آپ یہ جان کر حیران ہوجائیں گے کہ یہاں پر طلبہ کو بیٹھنے کے لیے بنچوں تک کا انتظام نہیں ہے، طلبہ فرش پر بیٹھ کر تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ سی پی ایس بلے کا نڈی گمرٹ کے اسکول انچارج نے 'سیاست' کو بتایا کہ اس مسئلے کے حل کے لیے ڈپٹی ایجوکیشن آفیسر سے متعدد مرتبہ درخواست کی گئی ہے لیکن محکمہ تعلیم کے اعلیٰ عہدیدار ٹال مٹول سے کام لے رہے ہیں اور اردو میڈیم ہونے کی وجہ سے خاطر خواہ توجہ نہیں دے رہے ہیں۔ انچارج کے مطابق اسکول میں 100 سے بھی زیادہ طلبہ تعلیم حاصل کررہے ہیں اس کے باوجود صرف دو ہی اساتذہ ہیں۔ انھوں نے کہا کہ مزید اساتذہ کی ضرورت ہے مگر ان اساسیوں کو بھرنے کے عہدیدار پُر نہیں کررہے ہیں۔ اہلیان محلہ نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ اس اسکول کی پوری تفصیلات حاصل کرکے یہاں کے مسائل کو حل کرنے کے لیے ضروری اقدام کرے تاکہ طلبہ کا مستقبل درخشاں ہوسکے۔ اس اسکول کے طلبہ کے والدین نے مقامی لیڈروں سے بھی اپیل کی ہے کہ وہ اس اسکول کے مسائل کے حل کے لیے فوری نمائندگی کریں اور غریب افراد کے بچوں کو تعلیم سے محروم ہونے سے بچائیں۔

(سیاست۔ حیدرآباد)

اردو کو یوپی میں دوسری سرکاری زبان کا درجہ — ایک جائزہ

پروفیسر انوار الیقین (B-304، اسٹیلر کنکس کورٹ، F-32، سیکٹر 50، نوئیڈا - 201301)

اتر پردیش میں اردو کو دوسری سرکاری زبان دینے کے ضمن میں سپریم کورٹ کا ایک اہم فیصلہ ۹ ستمبر کو آیا ہے۔ اس فیصلے میں سپریم کورٹ کی ایک پانچ رکنی بنچ نے آئینی دفعات کی صحیح تعبیر و توضیح کرکے آئین بنانے والوں کی منشا و مقصد کا احترام کیا ہے۔ یہ فیصلہ اس لیے بہ طریق احسن ہے کہ خود غرضی میں مبتلا جو ادبی ادارہ (یوپی ہندی ساہتیہ سمیلن) 30 برس اردو کی مخالفت میں آئینی دفعات کی منشا و مطلب کو توڑ مروڑ کر عدالتوں کے سامنے پیش کرتا رہا اسے ملک کی عدالت عظمیٰ سے ناکام و نامراد لوٹنا پڑا۔ یہ فیصلہ ایک بڑی آئینی بنچ نے دیا ہے، اس لیے اب اس کے امکانات نہیں رہ گئے کہ یہ مسئلہ کبھی دوبارہ اٹھایا جائے گا۔

سپریم کورٹ کے ایسے فیصلوں کی ایک طویل فہرست مرتب کی جاسکتی ہے جو آئین کی بالادستی کو قائم و دائم رکھنے کی بہترین مثالیں ہیں۔ یہ فیصلہ ایسی فہرست میں ایک اضافہ ہے۔

ہمیں فخر ہے کہ ہم ایک ایسے سپریم کورٹ کی چھتر چھایا میں رہ رہے ہیں جسے آئین نے لسانی و مذہبی اقلیتوں کو دیے گئے حقوق و استحقاق کا محافظ بنایا ہے اور جس کے فیصلے انصاف و غیر جانب داری کی اعلا قدروں کے مظہر ہیں۔ فیصلے غلط بھی ہوتے ہیں، لیکن ہم ان کا شمار مستثنیات میں کرتے ہیں۔ عدالتوں کے پاس جائزہ جوازنے کا کوئی واحد پیمانہ نہیں ہے۔

ہم نے سپریم کورٹ کے وہ فیصلے بھی پڑھے ہیں جو انصاف پسندی کی اعلاترین مثالیں ہیں اور وہ بھی جن میں انصاف اور مصلحت پسندی کے بیچ ٹکراؤ میں انصاف کی ہار ہوئی ہے۔

آئینی بنچ میں چیف جسٹس آر ایم لودھا (جنھوں نے فیصلہ لکھا) کے ساتھ جسٹس دیپک مشرا، جسٹس مدن بی لوکر، جسٹس کورین جوزف اور جسٹس ایس اے بوبڈے شامل تھے۔

اتر پردیش میں 1951 میں ہی ایک قانون کے ذریعے اعلان کر دیا گیا تھا کہ ریاست میں سرکاری کام کاج اور دیگر معاملات میں ہندی سرکاری زبان کی حیثیت میں استعمال کی جائے گی۔

1982 میں یوپی سرکار نے ایک آرڈیننس جاری کرکے اعلان کیا کہ اردو بولنے والوں کی سہولت کے لیے اردو کا استعمال ایک دوسری سرکاری زبان کی حیثیت سے کیا جائے گا۔ جن مقاصد کے لیے اردو کا استعمال ہوگا ان کی ایک فہرست آرڈیننس کے ساتھ منسلک کردی گئی۔ ان مقاصد کو پانچ زمروں میں رکھا گیا اور ان کی نوعیت کی صراحت کچھ اس طرح کی گئی:

1. اردو میں دی گئی درخواستوں کو قبول کرنا
2. رجسٹریشن کے لیے پیش کی گئی اردو میں تحریر و دستاویزات (جن کی ایک نقل ہندی میں ہوگی) قبول کرنا
3. اہم سرکاری قواعد و ضوابط و اعلانات کا شائع کرنا
4. اہم سرکاری اشتہارات کا شائع کرنا
5. سرکاری گزٹ کا اردو میں ترجمہ کرنا

1983 میں ایک نیا آرڈیننس جاری کیا گیا جس کے ذریعے 1982 کے آرڈیننس میں کچھ ترمیم کی گئی تھی۔

یوپی ہندی ساہتیہ سمیلن کو اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینا اس حد تک ناگوار گزرا کہ اس نے الہ آباد ہائی کورٹ کی لکھنؤ بنچ کے سامنے ایک رٹ پٹیشن دائر کر دیا۔ دلیل یہ رکھی کہ اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینا آئین کی دفعہ 345 اور 347 کی خلاف ورزی تھا۔ پٹیشن کو دو ججوں کی بنچ نے خارج کر دیا۔

1989 میں یوپی کی قانون ساز مجلس نے ایک ایکٹ (قانون) پاس کیا، جس میں یہ تحریر کیا گیا کہ اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ اُن تمام مقاصد کے لیے حاصل ہوگا جن کا اعلان یوپی حکومت وقتاً فوقتاً کرے۔ اس نئی صورت حال کی دو خصوصیات تھیں، اول تو یہ کہ قانون یوپی اسمبلی میں ممبران کی اکثریت کے ووٹ سے منظور ہوا تھا (آرڈیننس ریاست کے گورنر کی طرف سے جاری ہوتا ہے، جس کی مدت محدود ہوتی ہے)، دوسرے اس بات کا اختیار حکومت (یا مستقبل میں آنے والی حکومتوں) کو دیا کہ وہ وقتاً فوقتاً یہ طے کرے کہ دوسری سرکاری زبان کی حیثیت سے اردو کا استعمال کن کن مقاصد کے لیے ہوگا۔ یوں ایکٹ نے مقاصد کے تعین کے معاملے میں حکومت پر کوئی پابندی عائد نہیں کی۔

اسی سال حکومت نے ایکٹ کے تحت دیے گئے اختیار کا استعمال کرتے ہوئے ایک تحریری اعلان (Notification) کے ذریعے ان مقاصد کی صراحت کر دی جن کے لیے اردو کو دوسری سرکاری زبان کی حیثیت سے استعمال کیا جاسکتا تھا۔ مقاصد کی تعداد 5 کی جگہ 7 کر دی گئی اور ان کی وسعت میں بھی اضافہ کر دیا گیا۔ ان کی نوعیت کچھ اس طرح تھی:

1. اردو میں تحریر شدہ درخواستوں کو قبول کرنا اور ان کے جوابات بھی اردو میں دینا
2. رجسٹریشن (اندراج) کے لیے پیش کی گئی اردو میں تحریر شدہ دستاویزات کو قبول کرنا
3. اہم سرکاری قواعد و ضوابط و تحریری اعلانات اردو میں بھی شائع کرنا
4. عوامی نوعیت کے اہم حکم نامے اور سرکلر اردو میں بھی جاری کرنا
5. اہم سرکاری اشتہارات اردو میں بھی شائع کرنا
6. سرکاری گزٹ کا اردو ترجمہ بھی شائع کرنا
7. اردو زبان میں بھی اہم سائن بورڈ لگوانا

اردو لکھنے پڑھنے والوں کے حق میں مندرجہ سہولتیں یوپی ہندی ساہتیہ سمیلن کے لیے دل آزاری کا سامان بن گئیں۔ اس نے 1989 کے ایکٹ اور اس کے تحت جاری کی گئی نوٹیفکیشن (تحریری اعلان، جس کی حیثیت قانون کی ہوتی ہے) کے خلاف الہ آباد ہائی کورٹ میں ایک پٹیشن دائر کر دیا لیکن ہائی کورٹ کی تین ججوں کی ایک ڈویژن بنچ نے یہ پٹیشن 1996 میں خارج کر دی۔

ہندی ساہتیہ سمیلن نے ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف اپیل کرنے کے لیے سپریم کورٹ سے اجازت چاہی جو 1997 میں مل گئی۔ سپریم کورٹ میں اپیل کی سماعت دو ججوں کی بنچ کے سامنے شروع ہوئی، لیکن چوں کہ تنازعہ لمبے عرصے سے چلا آرہا تھا دو کی جگہ بنچ میں ایک اور جج کو شامل کرکے تین رکنی بنا دیا گیا۔ لیکن تین رکنی بنچ کے سامنے اپیل کی سماعت کے دن سپریم کورٹ نے محسوس کیا کہ چوں کہ آئین کی دفعہ 345 اور 347 کی تشریح و توضیح کا مسئلہ تھا، اس لیے اپیل کی سماعت پانچ ججوں کی آئینی بنچ کے سامنے ہو۔ پانچ رکنی آئینی بنچ کی تشکیل ہوئی اور اپیل کی سماعت 2003 میں شروع ہوئی۔

اپیل کنندہ (یوپی ہندی ساہتیہ سمیلن) کی طرف سے تین اعتراضات رکھے گئے:

1. 1989 کا ایکٹ وضع کرکے اردو کو دوسری زبان کی حیثیت دینا آئین کی دفعہ 345 کی خلاف ورزی ہے۔ ہندی کو سرکاری زبان کا درجہ ملا ہوا ہے اور اب کسی دوسری زبان کو سرکاری درجہ دینے کی دفعہ 345 میں اجازت نہیں ہے۔ (اس اعتراض کی حمایت میں جو دلائل اپیل کنندہ نے کیے

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

جہاں تک زمینی حقائق کا تعلق ہے تو اس فیصلے سے کوئی بڑی امید لگانا بے سود ہے۔ اتر پردیش میں کتنے ایسے لوگ ہیں جو مثال کے طور پر اردو زبان میں اپنی درخواستیں دفتروں میں دینا چاہیں گے اور کتنے اردو زبان کے پڑھنے اور لکھنے والے دفتروں اور سرکاری اداروں میں بیٹھے ہیں جو انھیں گلے لگالیں گے۔ ہم اردو کے چاہنے والوں نے اردو کی بقا و ارتقا کے لیے وہ نہیں کیا جو ہم کر سکتے تھے۔ اردو تو ہماری ثقافت، ہماری معاشرتی اقدار اور ہمارے تشخص کی پہچان ہے۔ اگر ہم ہی اس کی ترویج و ترقی کی طرف سے نظریں پھیرلیں تو پھر شکایت کس سے کریں۔ اردو کی حیثیت تو انگریزی زبان کی طرح خواص کی زبان بن کر رہ گئی ہے۔ بقیہ لوگ اردو سے اس حد تک نابلد ہیں کہ اپنا نام بھی صحیح طرح نہیں لے سکتے۔

مدیر: اطہر فاروقی
شریک مدیر: محمد عارف خاں
پرنٹر پبلشر: شاہد خاں — مطبوعہ: شمر آفسٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲- راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲
قیمت (فی شمارہ) دو روپے، سالانہ: ۸۵ روپے (بیرونی ممالک: آٹھ امریکی ڈالر)
Phones: 23237212, 23237214
http://www.atuh.org